اقامت دین کے قرآنی اصول

صدرالدین اصلاحیؒ

قرآن حکیم کو غور سے پڑھیے تو وہ اصول ونکات بڑی آسانی کے ساتھ ہاتھ آ جاتے ہیں جن کے مطابق اقامتِ دین کی جدوجہد کی جانی چاہیے' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان اصولوں کی تفصیل سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو توقع کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ جب اس کے مباحث کا اصل مرکز یہی اقامت دین ہے تو قدرتی طور پر اس کی ساری تفصیلات بلاواسطہ یا بالواسطہ اسی کے اصول وذرائع کی شرح وتفصیل ہی ہوں گی۔ لیکن چونکہ قرآن اپنے مدعا کو انسانی ذہن میں پوری طرح بٹھا دینے اور اچھی طرح محفوظ کر دینے کے لیے کوئی ضروری تدابیر اٹھا نہیں رکھتا اور جہاں تک اقامت دین کے مسئلے کا تعلق ہے وہ تو اس کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ تھا۔ اس لیے اس کے اصول وطریق کار کو اس نے جہاں سیکڑوں صفحات میں پھیلا کر بیان کیا ہے اور مختلف جگہوں میں اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے وہاں بعض مقامات پر اس نے انھیں اکٹھے سمیٹ کر بھی بیان کیا ہے تاکہ چند جملوں کے مختصر سے آئینے میں ان کی پوری تصویر بیک نظر بھی دیکھی جا سکے۔ اس طرح کے ''جوامع الکلم'' میں سب سے زیادہ جامع اور ساتھ ہی سب سے زیادہ واضح آیات یہ ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ ...... وَلْتَكُنْ

مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۲-۱۰۵)

اے ایمان والو! اللہ کا ٹھیک ٹھیک تقویٰ اختیار کرو اور دنیا سے نہ رخصت ہو مگر اس حال میں کہ تم "مسلم" ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑلو اور ٹولی ٹولی نہ ہوجاؤ۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو تم پر ہوا ہے جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دل باہم جوڑ دیے۔ اور اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہوگئے...... اور چاہیے کہ تم وہ گروہ بنو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے' نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکتا رہے' ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں' اور (دیکھو) کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح ہدایتیں پانے کے باوجود ٹولیوں میں بٹ گئے اور اختلاف میں مبتلا ہوگئے۔

یہ آیتیں مدینہ کی ابتدائی زندگی' یعنی ۲ھ میں نازل ہوئی تھیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اُمت مسلمہ کی اجتماعی اور سیاسی زندگی تاسیس وتعمیر کے ابتدائی مرحلوں سے گزر رہی تھی۔ عین اس زمانے میں یہ آیات کریمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اقامت دین اور نظامِ مومنین کا ایک مختصر مگر جامع ربانی پروگرام لے کر آئیں۔ جس میں اقامت دین کے طریق کار کے نہ صرف عملی اصول ہی بتا دیے گئے ہیں بلکہ یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ ان اصولوں میں باہم ترتیب کار کیا ہونی چاہیے' نیز یہ بات بھی کہ اس نصب العین کی خاطر کی جانے والی جدوجہد کن تدریجی مرحلوں سے گزرتی ہوئی اپنی غایت مقصود تک پہنچا کرتی ہے۔ اس ربانی پروگرام پر غور کیجیے تو وہ تین اجزا یا اصولی نکات پر مشتمل دکھائی دے گا:

۱- تقویٰ کا التزام ۲- مضبوط ومنظم اجتماعیت ۳- امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

یہی تین نکات ہیں جو اقامت دین کے بنیادی اصول کار ہیں۔

تقویٰ کا التزام

اقامت دین کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے اور جس کو اس راہ کی ''شرط اول قدم'' کہنا چاہیے وہ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ---کے فرمانِ خداوندی میں مذکور ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے کو ''ایمان والا'' سمجھتا ہو' اور جو اس ایمان کی عائد کی ہوئی ذمے داری سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہو' اس کے لیے لازم ہے کہ اللہ کا ''تقویٰ'' اختیار کرے اور اپنے آخری سانس تک ہر آن اور ہر لمحے ایک ''مسلم'' بن کر زندگی بسر کرے۔ تقویٰ کا پورا عملی مفہوم جو قرآن کی زبان سے بیان ہوا ہے اس سے شمہ برابر بھی کم نہیں کہ اللہ کے تمام حکموں کا ٹھیک ٹھیک اتباع کیا جائے۔ اس کے کسی امر کو چھوڑ دینے سے بھی ڈرا جائے اور اس کی کسی نہی کے کرگزرنے سے بھی خوف کھایا جائے۔ اسی طرح ''مسلم'' کے معنی بھی قرآنی بیانات کی روشنی میں سچے فرماں بردار اور مخلص اطاعت شعار کے ہیں' یعنی مسلم وہ شخص ہے جس نے احکامِ خداوندی کے سامنے اپنی گردن رضا کارانہ جھکا دی ہو۔

اس لیے ان دونوں اصطلاحوں کے مفہوموں کے پیشِ نظر اقامت دین کے پروگرام کا پہلا جز' یا اصول یہ ہوا کہ ہر مسلمان سب سے پہلے خود اپنے اُوپر اللہ کے دین کو قائم کرے۔ خوف و رجا کی ساری نیازمندیاں بس اسی ایک ذات کے لیے مخصوص کر دے۔ تعظیم و تذلل اور سرفگندی کے تمام جذبات اسی کی رضاجوئی کے لیے وقف کر دے۔ تمام اطاعتوں سے منہ موڑ کر بس اسی ایک آقا کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لے۔ اپنے نفس کو ان تمام امور سے پاک کرے جو اس کی ناخوشی کا سبب بنتے ہیں' اور ان تمام صفات سے اسے آراستہ کرے جو اس کی رضا کے باعث ہوتے ہیں۔ اپنے کو اللہ تعالیٰ کا ہمہ وقتی غلام سمجھتا رہے اور اس کے کسی حکم کی بجا آوری میں نہ تو لیت و لعل کرے اور نہ دل تنگ ہو۔ اپنی نگاہ کو حق تعالیٰ کی رضاطلبی اور حکم برداری پر پوری طرح جمائے رہے' خواہ کتنی ہی مخالفتیں' مصیبتیں' ناسازگاریاں اور دل شکنیاں اس کی راہ میں کیوں نہ حائل ہوں۔ کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ بظاہر مشکلات و مصائب ہی ہیں مگر فی الواقع یہ اتباع حق اور التزام تقویٰ کی ضروری آزمایشی منزلیں ہیں جن سے گزرے بغیر کسی مدعی ایمان کا ایمان اور تقویٰ

خدا کے ہاں سند اعتبار اور شرف قبول نہیں حاصل کرتا۔ جیسا کہ قرآن کا فرمانا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ○ (البقرہ ۲:۱۵۵)

ہم تم کو (یعنی تمھارے ادعاے ایمان کو) خطروں اور فاقوں اور تمھارے مال اور جان اور پیداوار کے نقصانوں کے ذریعے ضرور آزمائیں گے۔ اور اے نبیؐ ان لوگوں کو (کامرانی کا) مژدہ سنا دو جو (ان خطرات و نقصانات کو) صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کرلیں۔ الخ

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ○ (العنکبوت ۲۹:۱)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں پرکھا نہ جائے گا۔ حالانکہ (یہ پرکھنا) ہماری ہمیشہ کی سنت ہے اور ہم نے ان سے پہلے بھی لوگوں کو پرکھا ہے لہٰذا (تمھیں بھی) اللہ تعالیٰ یہ ضرور دیکھے گا کہ تم میں سے کون سچے (مومن) ہیں اور کون جھوٹے۔

اس لیے ان چیزوں سے گھبرانے اور کترانے کے بجاے ان کا صبر اور اطمینان کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے ورنہ یہ دل ایمان کا لذت شناس نہیں ہوسکتا۔ جو ان رکاوٹوں کے آگے سپر ڈال دے اور نہ وہ سینہ تقویٰ کے نور سے بہرہ یاب ہوسکتا ہے جو اس آزمایش کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ اپنے ایمان و اسلام کے متعلق بڑے دھوکے میں ہوگا وہ شخص جو حدود اللہ کی پاسداری اور احکام قرآنی کی پیروی میں اپنے نام نہاد جانی اور مالی، گروہی اور طبقاتی، قومی اور وطنی مفادات کا بچاؤ پہلے کرلینے کی فکر کرے، اور اتباع حق کو جان و مال کی کامل محفوظیت کے ساتھ مشروط رکھتا ہو۔ ایسے شخص کی زبان پر اسلام، اور اس کی شکل وصورت میں تقویٰ تو ہوسکتا ہے مگر اس کا باطن ان طائرانِ قدس کا آشیانہ نہیں ہوسکتا۔ غرض اہلِ ایمان کی آزمایش اللہ تعالیٰ کی ایک عام سنت ہے۔ اور اسی سنت کو پورا کرنے کے لیے اس نے اسلام اور ارتقا کا راستہ مشکلات اور مصائب کی

چٹانوں سے بھر رکھا ہے اس لیے جو شخص اِتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ --- کے فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرنا چاہتا ہو اس کو ان چٹانوں سے ٹکرانا اور ان کی ٹھوکریں برداشت کرنا ناگزیر ہے۔

منظم اجتماعیت

اس پروگرام کی دوسری دفعہ یا دوسرا نکتہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اِن لفظوں میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے وہ دو باتوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ تمام اہلِ ایمان' جو احکام الٰہی و حدودِ خداوندی کی پابندی میں سرگرم عمل اور اپنی انفرادی اصلاح و تزکیہ میں کوشاں ہوں' مل کر ایک مضبوط اور منظّم جماعت بن جائیں۔ اور یہ پوری جماعت ایک ہی جسم کے اعضا کی طرح باہم جڑی ہوئی ہو۔ دوسری یہ کہ اسے اس طرح باہم جوڑ کر رکھنے والی چیز نہ تو کوئی نسلی رشتہ ہو نہ کوئی وطنی تعلّق' نہ کوئی معاشی یا سیاسی مفاد ہو' نہ کوئی دنیوی اور مادی مقصد بلکہ صرف ''اللہ کی رسی'' یعنی اس کی بندگی کا وہ عہد ہو جو ہر مسلمان نے کر رکھا ہے۔ وہ قرآن ہو جس کی پیروی ہی کسی شخص کو مومن بناتی ہے۔ وہ دین ہو جس کی اطاعت و اقامت ہی کے لیے اُمت مسلمہ وجود میں لائی گئی ہے۔ غرض جس طرح ملّت کا منظّم اور متحد رہنا ایک ضروری چیز ہے' اسی طرح یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس نظم و اتحاد کا شیرازہ صرف یہ ''حبل اللہ'' ہی ہو' بلکہ اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو بات اس سے بھی کہیں زیادہ اہم نظر آئے گی۔ اتنی زیادہ اہم کہ مجبوری کی بعض ایسی حالتیں تو ہوسکتی ہیں جن میں اتحاد و تنظیم ملت سے محروم ہو کر بھی مومن خدا کے حضور معذوری اور بری قرار دیا جائے گا۔ مگر جو چیز اس اتحاد و تنظیم کا شیرازہ ہے اسے کسی حالت میں بھی اگر چھوڑ دیا گیا تو اس کی بازپرس سے چھٹکارا ہرگز نہ ہوسکے گا۔ اس لیے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اسلام کے نزدیک نفس اتحاد ہی کوئی مطلوب و محبوب چیز ہے خواہ وہ کسی غرض کے لیے اور کسی مقصد پر مبنی کیوں نہ ہو۔ اس کے بخلاف حقیقت یہ ہے کہ اگر اتحاد کی بنیاد کسی فاسد مقصد پر رکھی گئی ہو تو نہ صرف یہ کہ وہ اسلام کا مطلوب نہیں' بلکہ اس کی نظروں میں حد درجہ مردود اور مبغوض ہے اور اس اتحاد سے بال برابر بھی مختلف نہیں جو چوروں اور ڈاکوؤں کے مابین ہوا کرتا ہے۔ اسلام کا مطالبہ صرف اس اتحاد کا ہے جس کا شیرازہ اتباعِ حق اور اقامتِ حق ہو۔

اقامتِ دین کا نکتہ' یعنی جماعتی اتحاد' اگر ذرا غور کیجیے تو پہلے نکتہ سے کوئی بالکل الگ اور بے تعلق شے نہیں ہے بلکہ اسی کا ایک فطری تقاضا ہے۔ ایک طالب علم کو اس کی اپنی طبیعت ہی مجبور کرتی ہے کہ اپنے ساتھی طلبہ سے بے تکلفی' دل بستگی اور الفت و محبت رکھے۔ ایک تعلیم یافتہ اور علم دوست کے مذاق اور مزاج ہی کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ارباب علم و دانش کی ہم نشینی اختیار کرے۔ ایک رنگین طبع اپنے جیسے رنگین مزاجوں کی طرف خود بخود کھنچ اٹھنے سے رک نہیں سکتا--- اور اگر کسی طالب علم کو اپنے ساتھیوں سے' کسی صاحبِ علم کو اہل علم و فضل سے' کسی رنگین مزاج کو اہلِ نشاط سے گہری وابستگی نہ ہو تو یقین کرنا چاہیے کہ وہ صحیح معنوں میں طالب اور صاحبِ علم اور رنگین طبع نہیں۔ ہم مشربی کی یہی وہ کشش ہے جس کو عام اصطلاح میں جاذبۂ جنسیت کہا جاتا ہے۔ اصولاً اس جاذبۂ جنسیت کو اہل تقویٰ کے درمیان بھی اپنا کام کرنا چاہیے' اور وہ کرتا بھی ہے۔ ایک وہ انسان جو خدا پرستی کے جذبات سے سرشار ہو' ان لوگوں کی طرف لازماً کھنچتا ہے جو اسی کی طرح اتباعِ حق اور تقویٰ کے لذت شناس ہوں۔ یہ ممکن نہیں کہ دو دلوں میں خدا کا حقیقی تقویٰ موجود ہو اور اس کے باوجود وہ آپس میں کٹے ہوئے یا ایک دوسرے سے بے تعلق ہوں۔ اس کے بخلاف ان میں جذب و انجذاب لازمی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ تقویٰ کی صورت میں اندر کوئی دوسری ہی روح پرورش پا رہی ہے کیونکہ ایک ہی منزل اور ایک ہی راہ کے دو مسافر ایک دوسرے کے غیر بن کر نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے جو آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعریف اگر کہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ اور بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ کے الفاظ سے کی گئی ہے تو کہیں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اور اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ان کا نشانِ امتیاز ٹھیرایا گیا ہے۔ گویا اسلام کے پیروؤں کا باہم جڑ کر رہنا ان کے ایمان اور اتقا کی کسوٹی ہے۔

قرآن کی نگاہ میں اہلِ ایمان کے لیے اس وصف کا وجود کتنی اہمیت رکھتا ہے' اس چیز کا اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بعض ہدایات پر بھی نظر ڈالی جائے جو اس معاملے کے منفی پہلو سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک ہدایت یہ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (توبہ ۹:۲۳)

اے ایمان لانے والو! اگر تمھارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیں تو ان کو اپنا ولی (قلبی رفیق) نہ بناؤ۔ اور جو لوگ ان کو اپنا ولی بنائیں گے تو وہی ظالم ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح ایک سچّا مومن اور متقی دوسرے مومنوں سے بے تعلق نہیں رہ سکتا خواہ نسلی اور قومی لحاظ سے وہ اس کے بیگانے ہی کیوں نہ ہو اسی طرح وہ فساق و فجار سے قلبی رابطہ بھی نہیں رکھ سکتا' خواہ وہ اس کے قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ قرآن اس کے امکان کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جیسا کہ اسی ضمن کی ایک اور آیت صراحت کرتی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (مجادلہ ۵۸:۲۲)

تم کسی ایسے گروہ کو' جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو' ان لوگوں سے الفت ومودت کا رشتہ رکھتا ہوا نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کی عداوت اور مخالفت پر کمربستہ ہوں' خواہ وہ اس کے اپنے ہی باپ یا بیٹے یا بھائی یا اہلِ خاندان کیوں نہ ہوں۔

ان ارشادات سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ایمان کے رشتے کو انسانی تعلقات میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ وہ ایک طرف تو مختلف نسلوں اور قوموں کے افراد کو باہم بھائی بھائی بنا کر جوڑ دیتا ہے۔ دوسری طرف اس کی زبردست قوت تمام مادی رشتوں کو بے جان اور غیر مؤثر بنا کر رکھ دیتی ہے۔ گویا یہ ایک سورج ہے جس کے آگے تمام ستارے بے نور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پھر ایمان کا یہ منفی اثر و عمل اس کے مثبت اثر و عمل کو مزید طاقت بھی دے دیتا ہے اور اہلِ ایمان کے مابین قائم ہونے والے اتحاد کو اور زیادہ مستحکم بنا دیتا ہے۔

غرض ایک نصب العین کی علَم بردار اور ایک اصول کی پیرو دوسری جماعتیں جس حد تک اپنے ارکان کو ڈسپلن کی مضبوط بندشوں میں باندھ کر رکھتی ہیں' اللہ کا دین اپنے پیروؤں کو اس سے بھی زیادہ مضبوطی سے جڑ جانے کی زبردست ہدایت کرتا ہے۔ انتشار و اختلاف کو وہ انتہائی

مذموم ٹھیراتا ہے اور دین حق کے مزاج کے اسے یکسر خلاف قرار دیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک پیغمبر (حضرت ہارون علیہ السلام) نے اپنی قوم کی اکثریت کو علانیہ بُت پرستی میں مبتلا ہوجاتے دیکھا مگر انھیں صرف سمجھانے بجھانے ہی پر اکتفا کیا اور ان کے خلاف کوئی فوری قدم اٹھانے سے محض اس لیے احتراز کر گئے کہ کہیں قوم کی جمعیت پراگندا نہ ہوجائے۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سینا کی پہاڑی سے واپس آکر ان سے اس سلسلے میں سختی سے باز پرس کی تو انھوں نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ: خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ اِسْرَآءِ يْلَ ''میں اس بات سے ڈرا کہ آپ کہیں گے تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی''۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اقامت دین کے پروگرام کی تیسری بنیاد وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے ارشاد میں واضح کی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انفرادی حیثیت سے اپنی اپنی ذات کے اُوپر دین حق کا قائم کرلینا اور پھر ایسے تمام افراد کا باہم جڑ کر ایک جماعت بن جانا ہی کافی نہیں ہے' بلکہ ان دونوں باتوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اُس ''خیر اور معروف'' کی طرف دوسروں کو بھی بلایا جائے جس کو خود قبول کیا گیا ہے اور اس ''منکر'' کو اپنے مقدور بھر مٹا ڈالنے کی مسلسل کوشش جاری رکھی جائے جس کو خود ترک کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خدا کی زمین کے کسی گوشے میں اس کے دین کے سوا کسی اور دین کا اقتدار باقی نہ رہ جائے۔

جس طرح اقامت دین کے عملی پروگرام کی دوسری دفعہ (افراد اُمت کا منظم اتحاد) پہلی دفعہ (انفرادی صلاح وتقویٰ) کا لازمی تقاضا ہے' اسی طرح یہ تیسری دفعہ (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) بھی اس کا فطری مقتضا ہے نہ کہ کوئی ایسا مستقل بالذات حکم جو اس سے کسی طرح کی مزاجی مناسبت رکھتا ہی نہ ہو۔ یہ بات کہ امر بالمعروف کس طرح ایمان اور تقویٰ کی فطری طلب ہے ایمان اور تقویٰ کی حقیقتوں پر غور کرنے سے بآسانی واضح ہوجاتی ہے۔ ایمان اور تقویٰ کی حقیقی روح کیا ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت بھری تعظیم' کوئی محبت بھری تعظیم محبوب کی مرضیات کے

بارے میں کیا چاہے گی؟ صرف یہ کہ گردوپیش انھی کی کارفرمائی ہو۔ ورنہ اس دل کو سوز محبت سے آشنا کون کہہ سکتا ہے جو محبوب کی مرضی کو پامال ہوتا ہوا دیکھ کر تڑپ نہ اٹھے؟ اس لیے خدا کی محبت اور حق کی جاذبیت ایک خدا پرست کو چین سے ہرگز بیٹھنے نہیں دے سکتی۔ جب تک کہ صفحۂ ارض پر اس کی نگاہوں میں چبھنے کے لیے ایک باطل اور کھٹکنے کے لیے ایک منکر بھی موجود ہو۔ یہ بات اس کے اسلام اور ایمان کے یکسر منافی ہے کہ کسی شخص یا گروہ یا ملک کو وہ دین اللہ کے حلقۂ انقیاد سے آزاد اور طاغوت کا فرماں بردار دیکھے اور ٹھنڈے دل سے اسے برداشت کر لے۔ لہٰذا اقامتِ دین کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا' اگر پیروان اسلام کی جمعیت امر بالمعروف سے غافل ہو۔ اور اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا حکم تشنۂ تعمیل ہی رہ جائے گا۔ اگر اہلِ ایمان بس اپنی ذات ہی تک احکامِ الٰہی کی پیروی کو کافی سمجھ لیں اور ان کو اس سے کوئی غرض نہ ہو کہ باقی دنیا کدھر جارہی ہے۔

اس کے علاوہ امر بالمعروف مومن اور مسلم اور متقی ہونے کے فطری تقاضوں میں ایک اور پہلو سے بھی داخل ہے' اور وہ ہے اللہ کے بندوں سے اخوت' محبّت اور خیرخواہی کا پہلو۔ جو شخص اسلام کو جانتا ہے وہ یہ بات بھی جانتا ہوگا کہ خدا سے محبّت کرنے کا حق اس وقت تک ہرگز ادا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی مخلوق سے بھی محبت نہ رکھی جائے۔ اس مخلوق سے جسے اس کے رسول نے اس کی ''عیال'' کہا ہے (اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ) اور جس کی بھی خواہی کو ایمان کی نشانی ٹھیرایا ہے (لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ- مسلم) نوعِ انسانی کے ساتھ بھی خواہی کی شکلیں بہت سی ہیں مگر اس سے بڑی اس کی اور کوئی بھی خواہی نہیں کہ اسے ان راستوں سے بچایا جائے جو گمراہی اور ابدی ہلاکت کے راستے ہیں اور جن پر چل کر انسان کی دنیا بھی عذاب بن جاتی ہے' اور آخرت بھی۔

اس لیے ایک مومن اگر اپنے دوسرے ابنائے جنس کو ''منکرات'' سے روکنے اور خیرومعروف کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ دراصل کسی خارجی سبب کے تحت نہیں کرتا بلکہ اپنے اس جذبۂ خیرخواہی کے تحت کرتا ہے جو اس کے ایمان کا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح اس کا ایمان اسے اس بات پر ابھارتا رہتا ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلائے' ننگوں کو کپڑے پہنائے'

اور کمزوروں اور بیکسوں کی مدد کرے' اسی طرح' مگر اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ وہ اس بات کے لیے بھی بے چین رکھتا ہے کہ حق سے محروم بندگانِ خدا کو اس خزانۂ سعادت کی کنجیاں مہیا کردے جس کے پالینے کے بعد پھر کبھی وہ نہ بھوکے ہوں گے نہ ننگے (اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى) نہ انھیں اپنے مستقبل کا کوئی اندیشہ لاحق ہوگا' نہ اپنے ماضی اور حال کا کوئی غم (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ)۔ اس کی ایمانی فکرونظر اسے بتاتی رہتی ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اگر یہ بنیادی اور مقدم ترین خیر خواہی نہ کی گئی تو باقی ساری ہمدردیاں اور خیر خواہیاں بالکل ہیچ ہیں۔ اور ان سے خدا کے بندوں کے حقوق ہرگز ادا نہ ہوں گے اور خدا کے بندوں کے حقوق کا ادا نہ ہونا خود اس کے حقوق سے عہدہ برآ نہ ہونے کی دلیل ہے۔

ایمان' اسلام اور تقویٰ سے امر بالمعروف کے یہ دو داخلی اور فطری تعلق تھے۔ ان کے علاوہ ان سے اس کا ایک خارجی اور مصلحتی تعلق بھی ہے جسے ہم دعوت اسلامی کا سیاسی مفاد کہہ سکتے ہیں' یعنی امر بالمعروف اسلام و ایمان کا فطری مطالبہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی ایک سیاسی ضرورت بھی ہے' اور وہ یہ کہ دعوتِ اسلامی کا علمبردار گروہ امر بالمعروف کا فریضہ بجالا کر ہی اپنے ایمانی جوہر کو پوری طرح برقرار رکھ سکتا اور اپنے مقصد کے حصول میں پوری طرح کامیاب ہوسکتا ہے۔ (انتخاب: فریضۂ اقامتِ دین' ص ۱۶۷-۱۸۲)

آپ کی لائبریری کے لیے

منشورات کے نئی کتب و کتابچے

1- سفر بلادِ غرب کے! ' محمد صغیر قمر' قیمت ۱۲۰
2- سیاسی سماجی تجزیے' عبدالکریم عابد' قیمت ۱۵۰
3- روحِ نماز' سید منور بخاری' قیمت ۵
4- گھر کی تعمیر' ڈاکٹر اُمِ کلثوم' قیمت ۶
5- اِحیائے دین اور مولانا مودودی' (اعلیٰ ایڈیشن) خلیل الرحمن چشتی' قیمت ۱۵
6- غلبۂ اسلام کی بشارتیں' علامہ یوسف قرضاوی' قیمت ۴/۵۰
7- حدود وقوانین: اعتراضات کا جائزہ' ثریا بتول علوی' زیرِ طبع